

عدل اجتماعی کا قرآنی تصور

ڈاکٹر محمد نذیر کا کاغذ

عدل اجتماعی کی اصطلاح ایک جدید اصطلاح ہے اس لئے بعض مفسرین سے پہلے ضروری ہے کہ معلوم کیا جائے کہ جدید سیاسی اصطلاح کے طور پر اس کا کیا مفہوم ہے اس کے بعد ہم دیکھیں گے کہ عدل اجتماعی کے متعلق اسلام کا تصور کیا ہے ؟ مغرب کے سیاسی فلسفہ پر ایک نگاہ ڈالتے سے معلوم ہوتا ہے کہ دوسرے تصورات کی طرح عدل اجتماعی کا تصور بھی مبہم اور غیر واضح ہے کیونکہ مختلف مکاتب فکر کے ہاں اس کے مختلف معنی لئے جاتے ہیں۔ بعض مفکرین کا خیال ہے کہ چونکہ پیدائش کے اعتبار سے تمام لوگ برابر ہیں لہذا سب کے ساتھ یکساں سلوک ہونا چاہیئے۔ بعض مفکرین عدل اجتماعی کو معیشت تک محدود کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا مطلب دولت یا آمدنی میں تمام لوگوں کو مساوی حق دینا ہے۔ مفکرین کا ایک طبقہ یہ کہتا ہے کہ ایک ملک کے تمام شہریوں کو یکساں مواقع فراہم کرنا عدل اجتماعی ہے۔

مغربی فلسفہ کے برعکس اسلامی نظام فکر میں عدل اجتماعی کی اصطلاح کو ہم زندگی کے کسی ایک پہلو تک محدود و مقید نہیں کر سکتے۔ قرآن پاک، سنت نبوی اور تاریخ اسلام پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ یہ اصطلاح اپنے اندر سماجی برابری، معاشی انصاف، سیاسی آئاد اور مذہبی رواداری وغیرہ کے وسیع معنی سموئے ہوئے ہے۔ ہم قارئین کی سہولت کے پیش نظر یہاں عدل اجتماعی کے تصور سے مختلف پہلوؤں کے تحت بحث کریں گے۔

(۱) عدل اجتماعی کا سماجی پہلو۔ قرآن پاک اعلیٰ و ارفع اخلاقی اقدار کی بنیاد پر ایک ایسی آفاقی ملت کا قیام چاہتا ہے جس کے تمام اراکین حقوق و ذمہ داریوں میں برابر ہوں اور جہاں کسی کو دوسرے پر رنگ، نسل، علاقہ یا سماجی رتبے کی بنا پر فوقیت حاصل نہ ہو بلکہ کسی کو برتری حاصل ہو تو بعض تقویٰ احسن اخلاق، نیک اعمال، ذمہ داری کے احساس، انسانی اقدار کے بلند نصب العین اور اعلیٰ و ارفع اصولوں کی پاسداری کی بنا پر ہو۔ (۱) خدا کے نزدیک وہ

تمام ملک آپس میں برابر ہیں جو اس کی ہدایات کے تابع ہوں لَنْعَا الْمُؤْمِنُونَ (خوۃ ۲) کا اعلان کر کے قرآن نے قبائلی اور
نسبی عصبیت، فرقہ واریت اور طبقہ واریت کے تمام خود ساختہ بت پاش پاش کر دیئے۔ رسول کریمؐ نے مکہ میں جبکہ اسلام
کی مخالفت نہ دیکھ سکتے تھے اور قبائلی فخر و افتخار کا دور دورہ تھا، مختلف چھوٹے بڑے قبائل کے افراد کو جو حلقہ گوش اسلام
ہو گئے تھے، مؤاخاۃ (بھائی چاہے) کے رشتے میں منسلک کر کے معاشرتی مساوات، باہمی تعاون، ہمدردی اور حب انسانیت
کا عملی نمونہ دنیا کے سامنے پیش کیا۔ (۱۲) اس قسم کا دوسرا عملی مظاہرہ اس وقت سامنے آیا جب آنحضرتؐ نے مدینہ
ہجرت فرمانے کے بعد مہاجرین اور انصارؓ کے درمیان مؤاخاۃ کو قائم کیا۔ (۱۳) یہ رشتے اس قدر مضبوط تھے کہ بھائی بھائی
کے لئے کسی قسم کی قربانی سے دریغ نہیں کرتا تھا مثال کے طور پر ہجرت کے چوتھے سال مدینہ سے یہودیوں کے ایک قبیلہ
بنو نضیر کے اخراج کے بعد جو مال غنیمت رسولؐ مقبول کے ہاتھ آیا تو تقسیم کے وقت انصارؓ نے آپؐ سے درخواست کی کہ نہ
صرف یہ مال بلکہ ہمارا مال بھی آپؐ ہمارے مہاجر بھائیوں میں تقسیم کریں۔ (۱۵) قرآن پاک نے بھی انصارؓ کے اس جذبہ
اخوت کی تعریف کی۔ (۱۶)

عدل و انصاف کا ایک بڑا لازمہ معاشرتی مساوات کا قیام ہے اگر حصول انصاف کے سلسلے میں حاکم و محکوم، آقا و غلام،
امیر و غریب اور اعلیٰ و ادنیٰ کے درمیان فرق دکھا جائے تو عدالت پر سے لوگوں کا اعتماد اٹھ جاتا ہے اور پھر رفتہ رفتہ
اس معاشرے کا انحطاط شروع ہو جاتا ہے۔ اسی چیز کے پیش نظر قرآن کریمؐ عدل و انصاف کے قیام کی بار بار تاکید کرتا ہے
(۱۷) اور کہتا ہے کہ کسی قسم کے کوئی، ازدواجی، یا سیاسی رشتے اور ذاتی بغض و عناد انصاف کے رستے میں حائل نہیں
ہونے چاہیے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ۱۔

”اے ایمان والو! انصاف پر قائم رہو اور خدا کے لئے سچی گواہی دو خواہ (اس میں) تمہارا یا تمہارے ماں
باپ اور رشتہ و اہل کا نقصان ہی کیوں نہ ہو۔ اگر کوئی امیر ہے یا غریب تو خدا ان کا فیصلہ دے گا۔ تو تم
خواہش کے پیچھے چل کر عدل کو نہ چھوڑو۔ اگر تم بچپن و شہادت دے گے یا (شہادت سے) بچنا چاہو گے تو
جان لو کہ خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے۔“ (۸)

اور یہ کہ ۱۔

اے ایمان والو! خدا کے لئے انصاف کی گواہی دینے کے لئے کھڑے ہو جائیو اور لوگوں کی دشمنی تم کو اس بات پر آمادہ نہ کرے کہ تم انصاف چھوڑ دو۔ انصاف کیا کرو کہ یہی پرہیزگاری کی بات ہے اور خدا سے ڈرتے رہو کچھ شک نہیں کہ خدا تمہارے اعمال سے خبردار ہے۔“ (۹)

رسول پاکؐ اور خلفائے راشدینؓ عہد میں قانون کے سامنے تمام لوگوں کی بالاعمال حسب و نسب برابری کی بیسیوں مثالیں دی جاسکتی ہیں۔ انصاف کے معانی میں تو حاکم اور ان کے اعزہ و اقارب سے کوئی رعایت کی جاتی تھی اور نہ ہی کسی کی سفارش چل سکتی تھی۔ مثال کے طور پر ایک دفعہ مدینہ میں خمر فروش کی ایک خاتون پوچھ دی کہ الزام لگا۔ اس خیال سے کہ عدالت میں مقدمہ چلے گا تو ان کی بدنامی ہوگی، انہوں نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو رسول اللہؐ سے سفارش کرنے کی درخواست کی۔ آپ بڑے ناماں ہوئے اور فرماتے گئے :-

”تم سے پہلے لوگ اس لئے ہلاک ہوئے کہ جب ان میں شریف و فاضل کا کوئی فرد (چوری کرتا تو اسے چھڑ دیا جاتا اور کمزور چوری کرتا تو اس پر حد فاش کی جاتی) خدا کی قسم! اگر غافلہ بنت محمدؐ بھی چوری کرے تو میں اس کا ہاتھ کاٹ لوں گا۔“ (۱۰)

جس مثالی معاشرہ کی بنیادیں رسول کریمؐ نے عدل و انصاف پر رکھیں، خلفائے راشدینؓ کے عہد میں اسے تکمیل تک پہنچایا گیا۔ اس دور میں عدالت کا دروازہ کھٹکھٹانے والا چاہے بدوی ہو یا غسان کا تو مسلم فرمانروا جلد ہی اہم بعض سے بلا کسی سماجی رتبے کے پورا پورا انصاف کیا جاتا تھا۔ (۱۱) حضرت عمر فاروقؓ کو عدالت کے سامنے تمام لوگوں کی پہلوی کا اتنا پاس تھا کہ آپؓ کو کئی بار اس کا امتحان لینے عدالت میں فریق مقدمین کر گئے اور اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ حاکم اور رعایا کے ساتھ قاضی کا رویہ کیا ہے۔ زید بن ثابتؓ کی عدالت میں حضرت عمر فاروقؓ اور ابی بن کعبؓ کا مقدمہ اور قاضی کو فریقین کے ساتھ یکساں سلوک کے بارے میں حضرت عمر فاروقؓ کی نصیحت سماجی انصاف کی بہترین مثال ہے۔ (۱۲) جس طرح ہمارے زمانے میں گھریلو ملازمین ہماری معاشرتی اور معاشی زندگی کا اہم جز ہیں بالکل اسی طرح غلامی کا ادارہ عربوں کی سماجی اور اقتصادی زندگی کا جزو لاینفک تھا۔ جدید دور کے ملازمین کی طرح ان کا بھی زندگی کے ہر شعبے میں استعمال ہونا رہتا تھا۔ اگر خوش قسمتی سے کوئی غلام سے آزادی حاصل کر بھی لیتا تو اسے آزادی ملنے کے بعد

بھی نچلے درجے کے شہریوں کے حقوق تک حاصل نہیں ہوتے تھے۔ قرآن پاک نے انسان اور انسانی زندگی کی قدر و منزلت کی تعلیم دے کر عربوں کے اس طرز عمل کو ہلکا اور غلاموں کی آزادی کی تلقین کی۔ (۱۳) غلاموں سے اچھا سلوک کرنے کی تاکید کے ساتھ ساتھ مسلمانوں کو اپنی دولت میں سے ان کی اعانت کرنے کو کہا (۱۴) مدینہ میں اسلامی ریاست کے قیام کے بعد ان کی آزادی کے لئے زکوٰۃ کا ایک حصہ بھی مختص کر دیا گیا (۱۵) رسول اکرمؐ اکثر فرمایا کرتے تھے کہ غلام تمہارے بھائی ہیں ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاؤ وہی پہناؤ جو خود پہناؤ ان پر کام کا بوجھ زیادہ ہو تو ان کا ہاتھ ٹاؤ۔ (۱۶) خلفائے راشدین کے عہد میں غلاموں کی آزادی اور اس ادارہ کی اصلاح کے لئے جو کچھ کیا گیا وہ ہماری تاریخ کے اوراق میں کسی سے پوشیدہ نہیں۔

حضرت محمدؐ نے حجۃ الوداع کے موقع پر مرد و زن کی ہرادی، عربی و عجمی کے درمیان مساوات اور مسلمانوں کے درمیان بلا کسی نسل امتیاز کے بھائی چارے، انسانی عظمت اور جان و مال کی حفاظت کا جو اعلان کیا (۱۷) وہ آج کے دور کے DECLARATIONS سے بالکل مختلف اس لئے تھا کہ جو کچھ آپؐ نے خطبے میں فرمایا، اس کا آپؐ اپنی زندگی ہی میں عمل نمونہ پیش کر چکے تھے۔ آپؐ کے وصال کے بعد آپؐ کے چار جانشینوں نے ان پر من و عن عمل درآمد کیا۔

۲۔ عدل اجتماعی کا معاشی پہلو۔ ایک معاشرہ کو مضبوط بنیادوں پر قائم کرنے کے لئے ضروری ہے اس کے افراد کے ترقی و خوشحالی کے راستے میں حائل تمام رکاوٹوں کو ہٹا دیا جائے اور ہر قسم کے استحصال کے دروازے بند کئے جائیں اسلام اس حقیقت سے خائف نہیں۔ وہ ایک طرف اگر سماجی برائیوں کے انسداد اور معاشرتی انصاف کے قیام پر زور دیتا ہے تو دوسری طرف ایک محسوس، عادلانہ اور متوازن اقتصادی نظام کے قیام کے لئے عالمگیر اصول بھی دیتا ہے جہاں بچہ معاشی انصاف کے حصول کی خاطر قرآن پاک ہر قسم کے استحصال، استحکار اور ارتکاز کے خلاف دریں دیتا ہے۔ برابر جیسے ظلم نہ فعل کو جس نے نہ صرف قبل از اسلام عربوں کی زندگی تباہ کی کہ رکھ دی تھی، بلکہ جو آج بھی ترقی پذیر اقوام کی ہڈی پھلی ایک کر رہا ہے، حرام قرار دیتا ہے۔ (۱۸)

قرآن مجید ہر قسم کے استحصال کی سختی سے ممانعت کرتا ہے چاہے وہ ناپ تول میں کمی کے ذریعہ ہو (۱۹) یا باہمی لین دین میں کسی اور ذریعہ سے (۲۰) ہو لوگ دولت کی بنیاد پر انسانی برادری کے اندر طبقاتی نظام قائم کرنے کی کوشش کرتے ہیں یا دولت کا امتکاؤ کر کے حاجت مندوں کی حاجت پسندی نہ کرتے ہوں انہیں سخت قسم کے عذاب کی خبر دی گئی ہے۔

”ہر طعن آمیز اشارہ میں کرنے والے چغل خور کی خرابی ہے جو مال جمع کرتا ہے اور اس کو گن گن کر رکھتا ہے اور خیال کرتا ہے کہ اس کا مال اس کی ہمیشہ کی زندگی کا موجب ہوگا ہرگز نہیں وہ ضرور بھڑکائی ہوئی آگ میں ڈالا جائے گا (۲۱) اور یہ کہ جو لوگ سونا اور پھاندی جمع کرتے ہیں اور اس کو خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے ان کو اس دن کے عذاب الیم کی خبر دو۔“ (۲۲)

قرآن کریم حلال کی کٹائی میں سے اتفاق فی سبیل اللہ پر زور دیتا ہے اور اس کے اجر کو جو خدا کی راہ میں خرچ کرنے والے کو ملے گا، بیان کرتا ہے (۲۳) اسلامی معاشرے میں اتفاق فی سبیل اللہ کی تاکید دراصل دولت کے ارتکاز کی حوصلہ شکنی اور غریب و لاچار افراد کی حالت بہتر بنانے کی طرف ایک تدم ہے۔ قرآن کے الفاظ میں جو لوگ اللہ کی راہ میں اپنا زائد مال خرچ نہیں کرتے گو یا وہ اپنے آپ کو ہلاک کے کنارے لے جاتے ہیں (۲۴) اسلام دولت کو گردش میں رکھنے کی تاکید اس لیے کرتا ہے کہ وہ مالدار لوگوں کے ہاتھوں میں استحصال کا ذریعہ نہ بنی نہ ہے (۲۵) اسلامی تاریخ پر ایک سرسری نگاہ ڈالیں تو معلوم ہوگا کہ رسول کریمؐ نے آخری مکی دور اور ابتدائی مدنی دور میں مسلم مہاشو کو طوس اور مستحکم میناہوں پر قائم رکھنے کی خاطر شخصی اور انفرادی خیرات و صدقات پر زور دیا یہ وہ دور ہے جب قرآن کریم کی اس قسم کی آیات کا نزول شروع ہوا تھا۔

(۱) ”اور تمہیں کیا معلوم کہ گھائی کیا ہے وہ گردن کا چھڑانا (غلاموں کا آزاد کرانا) یا سحر کے دلوں قرابت دار یتیم یا خاک نشین مسکین کو کھانا کھلاتا ہے۔“ (۲۶)

(۲) ”اور (مسلمان) مسکینوں یتیموں اور قیدیوں کو اللہ کی محبت کی وجہ سے کھانا کھلاتے ہیں۔“ (۲۷)

(۳) ”بیکہ یہ نہیں کہ تم اپنا منہ مشرق یا مغرب کی طرف پھیرو بلکہ شیکہ یہ ہے کہ کوئی اللہ اور آخرت کے دن اور

فرشتوں اور نبیوں پر ایمان لائے اور اپنا مال اللہ کی محبت میں قربت داندوں یتیموں، مسکینوں، مسافروں، مانگنے والوں اور غلاموں کو آزاد کرنے پر صرف کرے۔“ (۲۸)

مدینہ میں جب اسلامی ریاست منظم و مستحکم ہوئی تو ربا کو قطعاً ممنوع قرار دیا گیا اور نظام زکوٰۃ فرض کیا گیا نفلۃ کے معارف بھی قرآن پاک نے بڑی وضاحت کے ساتھ بیان کئے تاکہ اسے ریاست کی آمدنی کے دیگر ذرائع کے ساتھ گنبد نہ کیا جاسکے۔ قرآن پاک فرماتا ہے:-

”صدقات (زکوٰۃ) فقیروں اور مسکینوں کے لئے ہے اور ان لوگوں کے لئے ہے جو اس کی وصولی اور تقسیم کے لئے مقرر ہیں، اگر دن چھڑنے (غلاموں کو آزاد کرانے کے لئے) ہے۔ قرضداروں کے لئے ہے اللہ کی راہ میں خرچ کرنے اور مسافروں کے لئے ہے“ (۲۹)

قرآنی احکامات و ہدایات کی روشنی میں آنحضرتؐ نے جس مثالی معاشرہ کی بنیاد رکھی اس میں اخلاقی اقدار کی ترویج و ترقی کے پہلو آپؐ لوگوں کو طلال کی کمانی کھادیں بھی دیتے رہے اور سماجی تحفظات کی فراہمی کی سعی بھی کرتے رہے تاکہ بے روزگاری، تنگ دستی اور نادکشی جیسے خطرات کا خوف و امن گیر نہ ہو۔ آپؐ اکثر فقر و فاقے سے خدا کی پناہ مانگا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ فاقہ انسان کو کفر کے کنارے لے جاتا ہے۔ آپؐ کے عہد مبارک میں ریاست کی آمدنی نہ صرف غریبوں، یتیموں، بیواؤں، ناداروں اور حاجت مندوں کی ضروریات پر خرچ کی جاتی تھی بلکہ رفاہ عامہ کے کاموں کے لئے بھی اس کا ایک حصہ مخصوص تھا۔ (۳۰) زکوٰۃ اگرچہ امیروں سے وصول کی جاتی تھی اور غریبوں میں تقسیم کی جاتی تھی (۳۱) لیکن اگر اس سے معاشرتی ضروریات پوری نہ ہوتیں تو مالداروں پر اخائی ٹیکس بھی عائد کئے جاتے تھے۔ آپؐ لاقول ہے کہ غریب زکوٰۃ و صدقات کے علاوہ بھی دولت مندوں کی دولت پر حق رکھتے ہیں (۳۲)

آپؐ کی رحلت کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں بھی جذبہ کار فرما رہا۔ حضرت ابو بکر صدیقؓ بیت المال کی رقم مسلمانوں میں براہ تقسیم فرمایا کرتے تھے۔ آپؐ سے دریافت کیا گیا کہ متقدمین اور متاخرین مساوی تقسیم کیسے؟ فرمانے لگے مقدم اور مؤخر ثواب سے متعلق ہے جن کا اجر خدا دے گا اور یہ معاش کا معاملہ ہے جس میں برابر ہی شکستہ سے بہتر ہے (۳۳) اگرچہ ابتداء میں حضرت عمر فاروقؓ کی معاشی پالیسی اپنے پیروں سے تدریجاً مختلف رہی لیکن بعد میں فرمایا کرتے تھے کہ اگر خدا نے زندگی دی تو میں بیت المال سے کم حصہ لینے والوں کو اس سے زیادہ رقم وصول کرنے والوں کے برابر کروں گا (۳۴) کچھ مسلمانوں کی معاشی بد حالی دیکھ کر آپؐ نے ایک دفعہ فرمایا کہ ”جو کچھ مجھے آج معلوم ہوا اگر پہلے معلوم ہوتا تو میں مالداروں سے (ضرورت سے زائد) دولت لے کر غریبوں میں تقسیم کر دیتا۔“ (۳۵) قومی حیلانے کی حیثیت اور اس پر حکام اور رعایا کے حق کا اندازہ آپؐ کی اس تقریر سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے۔

”اے لوگو! میرے اور آپؐ کے مال (بیت المال) کا وہ تعلق ہے جو یتیم (کے مال) اور اس کے ولی کے

درمیان ہوتا ہے۔ اگر میں مالدار ہوں گا تو قومی خزانے سے کچھ نہیں لوں گا اور اگر فائدہ کی نوبت آجائے تو عام علاج کے مطابق کھانے کے لئے لوں گا۔ مجھ پر تمہارے بہت سے حقوق ہیں جن کے لئے تم میرا مؤاخذہ کر سکتے ہو۔ یہ کہ میں تمہارے خراج اور غنیمت کے مال کو بے جا طور سے (سرکاری خزانے میں) جمع نہ کروں اور یہ کہ جب (یہ مال) حق کے مطابق میرے ہاتھ آئے تو میں اسے بے جا طور سے صرف نہ ہونے دوں۔ تمہارا یہ حق ہے کہ میں تمہارے عطیات بٹھا دوں (۳۶)

قابل ذکر بات یہ ہے کہ اسلامی ریاست کے ابتدائی دور میں سرکاری خزانے پر صرف مسلمانوں ہی کا نہیں بلکہ غیر مسلم رعایا کا بھی برابر کا حق تھا چنانچہ اس سے غیر مسلم متحقیق کو اعداد دی جاتی تھی (۳۷) خالد بن ولیدؓ نے حیرو کے غیر مسلم باشندوں کے ساتھ جو معاہدہ کیا اس میں دوسری باتوں کے علاوہ یہ فسخ ہونی اہم ہے کہ اگر غیر مسلم رعایا میں سے کوئی بڑھا چڑھا یا غریب و افلاس کا شکار ہو گا تو نہ صرف اس کا جزیہ معاف کیا جائے گا بلکہ جب تک وہ امداد کے نہ کمالات لوگ اسلامی ریاست کے حدود میں رہیں گے، بیت المال سے اس کی مالی امداد کی جائے گی (۳۸)

حضرت عثمان غنیؓ کے عہد مبارک کی معاشی پالیسی کے بارے میں مؤرخین نے مبالغے سے کام لے کر بہت کچھ لکھا ہے یہاں تفصیلات میں جانا مقصود نہیں البتہ آٹا کہہ دینا کافی ہے کہ اس عہد کی اقتصادی پالیسی اور اس سے پہلے مدنی اقتصاد پالیسی میں کوئی فرق نہیں تھا۔ اس دور میں دولت کی فراوانی تھی جس نے آج کل کی اصطلاح کے مطابق افراتند کا مسئلہ پیدا کیا تھا۔ اس بات کا ثبوت ابن عبد البر (۳۹) اور معدی (۴۰) کے وہ بیانات فراہم کرتے ہیں جو اس عہد کے معدوم کی اشیاء کے نزول اور چند بااثر اشخاص کی جائیداد کے بارے میں ہیں۔ یہی چیز سیاسی بدبینی کی وجوہات میں سے ایک وجہ تھی۔ دولت کی اس فراوانی اور غیر مناسب تقسیم کے منفی اثرات اس وقت مسلم معاشرہ پر پڑ رہے تھے اور حضرت ابوذر غفاریؓ نے اسے دیکھ لیا تھا چنانچہ شام میں دولت کے ارتکاز کے خلاف ہم آہٹ ہی کے درس و تدریس کا نتیجہ تھا۔ شام کے گورنر حضرت امیر معاویہؓ کے ساتھ آپ کا اختلاف بھی اسی نکتے پر تھا کہ آیا بیت المال مال المسلمین ہے یا مال اللہ؟ ابوذر غفاریؓ کا خیال تھا کہ ہیت المال کو مال اللہ تسلیم کر لیا گیا تو حکمران اسے اللہ کے نام سے جس طرح چاہیں صرف کریں گے اور عوام اس سلسلے میں حکمرانوں سے باز پرس نہیں کر سکیں گے۔ بعد میں حضرت

امیر معاویہؓ نے حضرت ابوذرؓ کے نکتہ سے اتفاق کر لیا (۴۱)۔

۳۔ عدل اجتماعی کا سیاسی پہلو۔ قرآن پاک معاشرتی اور معاشی عدل کے پہلو پہلے سیاسی انصاف اور مساوات کا درس دیتا ہے۔ وہ ہر قوم کو اپنے حالات میں غور و فکر کی دعوت دیتا ہے اور بہتر تبدیلی پیدا کرنے کی ترغیب دیتا ہے (۴۲) ظاہر ہے بہتر تبدیلی ایک معاشرے کے اندر اس وقت پیدا ہو سکتی ہے جب آزادی رائے پنا جانے پابندیاں نہ ہوں۔ انہماک خیال کی آزادی اس وقت بار آور ثابت ہو سکتی ہے جب یہ حق تمام شہریوں کو بلا کسی امتیاز کے حاصل ہو۔ قرآن پاک آنادی فکر پر صرف اجتماعی مفاد کی خاطر پابندی کے حق میں ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیتیں جو دشواری سے متعلق ہیں (۴۳) آزادی رائے اور فکر کی ضمانت فراہم کرتی ہیں اور غور و فکر کی ترغیب دیتی ہیں تاکہ لوگ گھریلو معاملات سے لے کر ملکی اور بین الاقوامی معاملات تک انہماک و تفہیم اور رواداری کے جذبے کے تحت طے کرنے کے قابل ہوں اور بدلے و بدلتے حالات کی مطابقت سے اپنے سیاسی نظام کو ہم آہنگ کر سکیں (۴۴)۔

جس معاشرے یا ریاست میں شوری ہو گا ظاہر ہے وہاں حصول مقصد کے ذرائع پر یقیناً لوگوں کے انکار و خیالات میں اختلاف ہو گا لیکن ایک جمہوری معاشرے میں کسی کی رائے کو محض اس وجہ سے نہیں دیا جاتا کہ جو حکم وہ حاکم وقت کی رائے، پالیسی یا مفاد کے منافی ہے اس لئے اس کی اجازت نہیں۔ اسلامی نظام حیات میں حکومت کی پالیسیوں پر تعمیری تنقید نہ صرف یہ کہ جائز ہے بلکہ ریاست کے ہر شہری کا فرض ہے کہ وہ خدا کے نائب کی حیثیت سے تعمیری تنقید کے ذریعہ حکومت وقت کی غلطیوں اور کوتاہیوں کی نشاندہی کرے اور اسے درست کام کرنے پر مجبور کرے۔ دوسری طرف حاکم وقت پر بھی یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنی رعایا پر نظر رکھے کہ کوئی تنقید کی آڑ میں ملی دعوت کو پارہ پارہ نہ کر دے۔ ان دوسری ذمہ داریوں کو بطریق احسن پورا کر کے ہی حاکم و رعایا روئے زمین پر خدا کا خلیفہ ہونے کا حق ادا کر سکیں گے۔

ہجرت نبویؐ کے فوراً بعد مدینہ میں جس مثالی معاشرہ اور ریاست کی بنیاد رکھی گئی اس میں خالص جمہوری اقدار کی ترویج کی طرف ہی خصوصی توجہ دیدی گئی۔ آنحضرتؐ نے قرآنی ہدایات کی روشنی میں خود ہی نظام کی بنیاد رکھی۔

اس نظام میں جاہلی دور کی طرح عمر، دولت، خاندانی رتبے، رنگ و نسل یا سماجی حیثیت کا خیال نہیں رکھا جاتا، بلکہ ذاتی عاقل، تقویٰ اور پیرائے نگاری اس کے لئے معیار تھے۔ رسول اکرمؐ کے زمانے کی مجالس خود ہی کی تفصیلات بیان کرنا یہاں ممکن نہیں البتہ اس دور کے خود ہی کے انعقاد کی دو تین مثالیں دی جا سکتی ہیں۔ جنگ بدر کے موقع پر خود ہی منعقد ہوا اور حباب بن منذرؓ کا مشورہ قبول کر لیا گیا (۴۵)۔ اس جنگ کے قبیلوں کی قسمت کا فیصلہ بھی باہمی خودوں سے کیا گیا۔ جنگ خندق کے موقع پر حضرت سلمان الفارسیؓ (جو کہ آزاد کردہ غلام تھے اور جاہلی عہد کے دستور کے مطابق شہریت کے پورے حقوق کے بھی حقدار نہیں تھے) کے مشورہ پر عمل درآمد (۴۶)۔ اس بات کا ثبوت ہے کہ اسلامی ریاست مکمل سیاسی مساوات کی علمبردار ہے اور زندگی کے دوسرے شعبوں کی طرح سیاسی معاملات میں بھی کسی کے ساتھ رنگ، نسل، زبان یا علاقے کی بنیاد پر امتیازی سلوک نہیں کرتی۔

رسول اللہؐ کو منصب رسالت کے باعث شہری ریاست مدینہ کے سربراہ تھے لیکن آپؐ کی رحلت کے بعد مسلمانوں کو ریاست و حکومت کا سربراہ بھی خود چننے کا موقع آپؐ ہی نے فراہم کر دیا۔ چنانچہ خلفائے راشدین کے انتخاب میں اہل الرائے اور دوسرے لوگ جو دار الحکومت میں موجود ہوتے تھے، بالواسطہ یا بلاواسطہ شریک ہوتے تھے۔ اہل الرائے کے درمیان ان مواقع پر اختلاف رائے بھی ہوتا رہا لیکن رواداری، باہمی اعتماد اور اسلامی جہالتی چارے کے جذبے کے تحت اختلافات انتخاب کا عمل مکمل ہونے کے فوراً بعد خود بخود ختم ہو جاتے تھے اور اسلام کا علم بلند کرنے کے لئے سب حکمران کے تحت ایک مٹھی بن جاتے۔

اس دور کی سیاسی آزادی اور مساوات کے اعلیٰ نمونے کا اندازہ حضرت ابو بکر صدیقؓ کے اس مصلحتی خطبے سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپؐ نے خلافت کا منصب سنبھالنے کے فوراً بعد جمع عام میں دیا اس خطبے میں جہاں امیر و غریب کے ساتھ العفاف اور برابری کی بنیاد پر سلوک کرنے کا وعدہ ہے وہاں عام لوگوں کو حکومت پر تعمیری تنقید کے حق کی ضمانت بھی دی گئی ہے اور حکمران کے غلط کاموں اور کتاب و سنت کی خلاف ورزی کی صورت میں اس کی اطاعت نہ کرنے کو بھی کہا گیا ہے (۴۷)۔ حضرت عمر فاروقؓ کی خلافت کے دور کا واقعہ ہے کہ کسی نے ان کے خطبے کے دوران ازراہ تنقید کہا کہ خدا سے ڈرو عمر! کسی نے اسے خاموش رہنے کو کہا تو آپؓ فرمانے لگے کہ اسے

کہنے دیں لوگ ہم پر تنقید نہ کریں اور ہم سب سے نہیں تو بڑا نقصان ہوگا (۴۸) اس دور میں آزادی ملنے اور حکومت کے معاملات میں عام لوگوں کی بھرپور شرکت کا اندازہ حضرت معاذ بن جبلؓ کی اس تقریب سے بخوبی لگایا جاسکتا ہے جو آپؐ نے قیام کے حکمران کے دربار میں کی۔ آپؐ نے فرمایا: ہمارا حکمران ہم محمدؐ میں سے ہے اگر وہ ہمارے درمیان کتاب و سنت پر عمل کرے گا تو اسے ہم پر حکمرانی کا حق حاصل ہوگا لیکن اگر وہ اس سے لوگوں کو روٹی کرے تو ہم اُسے معزول کر دیں گے۔ (۴۹) اس اقتباس سے دو نکات بڑی وضاحت کے ساتھ سامنے آتے ہیں۔ اول یہ کہ اسلامی ریاست میں حکمران عوام کا نمائندہ اور ترجمان ہوتا ہے اور اس کا انتخاب عوام کرتے ہیں دوم یہ کہ عوام اسے اس لئے منتخب کرتے ہیں کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں ملک کا نظم و نسق چلائے اور شرعی حدود قائم رہیں۔ اور حقوق اللہ اور حقوق العباد کا خاص خیال رکھے۔ اگر وہ یہ فرائض نبھالائے میں ناکام ہوں تو عوام کو یہ حق حاصل ہے کہ اسے درست کام کرنے پر مجبور کریں ورنہ اسے معزول کر دیں۔

رسول اکرمؐ کے چالیسویں کے عہد میں مجلس شوریٰ کا قیام اور تمام مسلمانوں کی ریاستی معاملات میں کسی نہ کسی طریقہ سے شرکت سیاسی عدل و انصاف کی بہترین مثال ہے۔ ابن سعد کی روایت کے مطابق حضرت ابو بکرؓ اور حضرت عمرؓ کے زمانے کی مجالس خود ہی میں نہ صرف عمر اور سفید ریش صحابہ کرامؓ شرکت فرمایا کرتے تھے بلکہ عوام بھی حصہ لیا کرتے تھے۔ ریاست کے سیاسی، معاشی، معاشرتی اور دوسرے معاملات میں بصیرت رکھنے والے لوگ بھی ان مجالس میں شرکت کیا کرتے تھے۔ (۵۰) اسلامی ریاست کے اس دور کے حکمرانوں کے انتخاب کے مختلف طریقوں (methods) سے جہاں یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام میں اقتدار ایک مقدس امانت ہے جسے خدا کی خوشنودی اور فلاح عامہ کے لئے ایک خاص طبقہ نہیں بلکہ تمام شہری شرعی حدود کے اندر استعمال کرتے ہیں وہاں یہ حقیقت بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ اسلامی ریاست میں لوگ اہلیت کی بنیاد پر اپنے آپ کو کسی بھی عہدے کے لئے پیش کر سکتے ہیں (۵۱) ہاں یہ بات ضرور ہے کہ وہ اپنے لئے CONVAISING نہیں کر سکتے۔

۴۔ عدل اجتماعی کا اخلاقی پہلو۔ عالمگیر باوری، انسان دوستی اور امن و آشتی کی فضا قائم کرنے کے لئے قرآن پاک نہ صرف مسلمانوں کے درمیان مساوات اور عدل و انصاف قائم کرنے کا درس دیتا ہے بلکہ دوسرے

مذہب کے لوگوں کو بھی زندگی کے مختلف شعبوں میں برابری کا درجہ عطا کرتا ہے قرآن کریم چونکہ اخلاقی بنیادوں پر معاشرہ کی تعمیر چاہتا ہے لہذا اسلام عقائد کے بارے میں کسی پر سختی نہیں کرتا (۵۲) جب تک غیر مسلم رعایا اسلامی ریاست کے فداوار ہوں اور مروجہ معمولات ادا کرتے ہوں، ان کو مسلم رعایا کے برابر سماجی حقوق حاصل ہوں گے قرآن پاک نہ صرف مسلمانوں کو آپس میں امن و سلامتی کے ساتھ رہنے کا درس دیتا ہے بلکہ انہیں دوسرے مذاہب کے لوگوں کے ساتھ بھی پرامن رہنے کی تلقین کرتا ہے۔ مسلمانوں کو کسی کے ساتھ جنگ کی اجازت نہیں سولے اسی کے کہ وہ جارحیت اور ظلم و ستم کا شکار ہوں ارشاد باری تعالیٰ ہے: "خدا کے راستے میں (صرف) ان لوگوں سے جنگ کرو جو تم سے جنگ کرتے ہیں لیکن زیادتی نہ کرو۔۔۔۔۔۔ ان سے جنگ کے باوجود حتیٰ کہ فتنہ ختم ہو اور دین صرف خدا کے لئے ہے" (۵۳) امام ابوحنیفہؒ، امام مالکؒ اور امام مہنبلؒ وغیرہ اس خیال کے حامی ہیں کہ جنگ کا جواز دشمن کی جارحیت ہے نہ کہ اسلام کا انکار۔

قرآن کریم مسلمانوں کو ان لوگوں کے ساتھ شفقت و محبت کے ساتھ پیش آنے کی تلقین کرتا ہے جو ان کے خلاف مذہبی جنگ نہیں کرتے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: "جن لوگوں نے تم سے دین کے بارے میں جنگ نہیں کی اور نہ تم کو پہلے گھروں سے نکالا ان کے ساتھ مہربانی اور انصاف کا سلوک کرنے سے خدا تم کو منع نہیں کرتا۔ خدا تو انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے"۔ (۵۴) اسی سے بڑھ کر انسانی برادری اور رواداری کیا ہو سکتی ہے کہ اسلام مسلمانوں کے لئے دوسری اقوام (اہل کتاب) کے طعام ہی کی نہیں بلکہ ان کے ساتھ ازدواجی تعلقات قائم کرنے کی بھی اجازت دیتا ہے۔ (۵۵) اس طرح قرآن پاک جگہ جگہ مسلمانوں سے کہتا ہے کہ دوسروں کے ساتھ احسان کیا کرو (۵۶) یہ احسان صرف مسلمانوں تک محدود نہیں بلکہ یہ ہر ایک کے ساتھ کسی امتیاز کے بغیر ہے۔

رسول اکرمؐ اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کے عہد میں جہاں معاشرتی، معاشی اور سیاسی عدل و انصاف کا جو عملی نمونہ پیش کیا گیا تاریخ اسلام اس کی نظیر پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مدینہ منورہ ہجرت فرمانے کے بعد آنحضرتؐ نے مسلمانوں اور یہودیوں کے درمیان جس وثاق کو نافذ کیا وہ مذہبی رواداری اور انسانی مساوات کی منہ بولتی تصویر ہے اس وثاق کی رو سے یہودیوں کو ضمیر اور عقیدے کی آزادی کی ضمانت فراہم کی گئی انہیں اختیار دیا گیا کہ وہ باہمی تنازعات

اپنے مذہبی قوانین کے مطابق طے کریں گے یہود مومنوں کے ساتھ جماعتی اشتراک کریں گے وہ اپنے عین پر قائم رہیں گے اور مسلمان اپنے دین پر۔ ان کی جان و مال محفوظ ہوں گے (۵۷) بعد میں اس قسم کی مذہبی ، سماجی ، معاشی اور سیاسی آزادیوں کی ضمانت بحران کے عیسائیوں کو بھی دی گئی (۵۸) حضرت ابو بکرؓ کے عہد میں ان معاہدوں کی تجدید بھی کر دی گئی (۵۹)

یہاں اس بات کی وضاحت ضروری ہے کہ بعد میں اگر یہودیوں یا عیسائیوں کو حلا وطن کر دیا گیا تو یہ اختلاف مذہبی اختلافات کی بنا پر نہیں بلکہ آئین اور ان معاہدات کی خلاف ورزی کے پاداش کے طور پر عمل میں لایا گیا جو ان کے ساتھ کئے گئے تھے۔ حضرت عمر فاروقؓ کے دور حکومت میں اہل ایلہیا کے ساتھ جس معاہدے پر دستخط ہوئے وہ مذہبی رواداری کا اعلیٰ نمونہ ہے جس کی رو سے نہ صرف عیسائیوں کی جان و مال کی حفاظت کا ذمہ لے لیا گیا بلکہ ان کے گرجوں اور صلیبوں کی ضمانت بھی دے دی گئی (۶۰) الغرض اس دور میں غیر مسلم رعایا کے ساتھ رواداری کا جو سلوک کیا گیا دنیا کی متمدن اقوام اقلیتوں کے ساتھ اس کا عشرِ عشر بھی نہیں کر سکتیں۔

اس جائزے سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کے عدل اجتماعی کا تصور کوئی ایسا تصور نہیں تھا جس کا کسی خاص موقع پر رسماً اعلان کر دیا گیا ہو جیسا کہ دورِ حاضر کی سیاست کا معمول ہے بلکہ یہ وہ تصور تھا جس کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا گیا اور جس کی بدولت اسلام جزیرہٴ عرب سے نکل کر دنیا کے گوشے گوشے میں پھیلتا چلا گیا۔

حواشی اور حوالہ جات

- (۱) - قرآن پاک، سورہ الحجرات، آیت نمبر ۱۳۔
- (۲) - ایضاً آیت نمبر ۱۰۔
- (۳) - ابن حبیب، کتاب المحبر حیدرآباد، دکن ۱۹۳۲ء، ص ۴۰-۴۱۔
- (۴) - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، بیروت ۱۹۵۴ء جلد اول، ص ۲۳۸-۲۳۹۔
- (۵) - ابن کثیر، البدایہ والنہایہ، قاہرہ ۱۹۳۲ء جلد سوم ص ۲۸۸-۲۸۹۔
- (۶) - قرآن پاک، سورہ الحشر، آیت نمبر ۹۔
- (۷) - ایضاً النساء ۵۸، المائدہ : ۴۳، ۴۴، ۴۵، ۴۶۔
- (۸) - ایضاً النساء : ۱۳۵۔
- (۹) - ایضاً المائدہ : ۸۔
- (۱۰) - بخاری الصمیم (کراچی ۱۹۶۱ء) کتاب الحدود، ص ۱۰۰۳۔
- (۱۱) - شبلی نعمانی، الفاروق (کراچی ۱۹۶۰ء) ص ۳۳۱-۳۳۲۔
- (۱۲) - مسلم الصمیم کتاب الحدود : ۹، شبلی، الفاروق ص ۳۳۱-۳۳۲۔
- (۱۳) - قرآن پاک، سورہ البلد : ۱۳، الدھر : ۸، البقرہ : ۱۷۷۔
- (۱۴) - ایضاً النحل : ۷۱۔
- (۱۵) - ایضاً التوبہ : ۶۰۔
- (۱۶) - بخاری محمولہ بال ص ۳۴۶۔
- (۱۷) - ابن ہشام، سیرت النبیؐ جلد چہارم (قاہرہ ۱۹۳۸ء) ص ۲۷۵۔
- (۱۸) - قرآن پاک، البقرہ : ۷۹-۸۰۔
- (۱۹) - ہود : ۸۵-۸۳، بنی اسرائیل : ۳۵، التطفیف : ۱-۳۔
- (۲۰) - النساء : ۳۰-۲۹۔

(۲۱) - الممزه : ۳ - ۱

(۲۲) - التوبه : ۳۳

(۲۳) - البقره : ۲۶۱ ، ۲۶۴ ، ۲۶۵ ، ۲۶۳ -

(۲۴) - البقره : ۱۹۵

(۲۵) - الحشر : ۷

(۲۶) - البلد : ۱۳

(۲۷) - الدهر : ۸

(۲۸) - البقره : ۱۷۷

(۲۹) - التوبه : ۶۰

(۳۰) - مشکوة المصابيح كتاب الاداب (متفق عليه)

(۳۱) - البداء و سنن (كانپور ۱۳۳۶ھ) ص ۲۲۳

(۳۲) - مشکوة المصابيح جلد دوم ۶۲۳ ابن حزم ، المحلى جلد ششم قاهره ۱۳۳۹ھ ص ۱۵۶

(۳۳) - البوليسف كتاب الخراج ص ۴۲

(۳۴) - ايضا ص ۳۶

(۳۵) - الطبري تاريخ ص ۴۷۷

(۳۶) - ملخص زبوليسف كتاب الخراج ص ۱۱۰-۱۱۷

(۳۷) - ايضا ص ۱۲۶

(۳۸) - الطبري تاريخ ص ۳۳۰-۳۳۵ البوليسف كتاب الخراج ص ۲۷-۱۲۷

(۳۹) - ابن عبد البر كتاب الاستيعاب في معرفة الاصحاب ، حيدرآباد دكن ۱۳۳۶ھ جلد دوم

(۴۰) - المسعودي ، مروج الذهب جلد دوم ص ۳۴۲

(۴۱) - طبري تاريخ ص ۵۰-۲۸۵

- (۴۲) - قرآن مجید، الرعد : ۱۱
- (۴۳) - ایضاً آل عمران ۱۵۹ ، ثوری : ۳۸
- (۴۴) - الطبری جامع البیان الاحکام القرآن جلد دوم ص ۲۳۵-۲۳۶
- (۴۵) - سیرة ابن ہشام جلد دوم ص ۲۶۲
- (۴۶) - ایضاً جلد سوم ص ۲۳۵
- (۴۷) - طبری تاریخ ص ۱۸۲۹
- (۴۸) - ابویوسف کتاب الخراج ص ۱۲
- (۴۹) - الازدی، فتوح الشام (اردو ترجمہ) ص ۱۸۵
- (۵۰) - ابن سعد، الطبقات الکبریٰ جلد دوم ص ۳۵ بخاری، کتاب الاعتصام۔
- (۵۱) - دیکھیے کرونظر حولائی ص ۱۹۶۰ "اسلام میں سیاسی آزادی کا تصور"
- (۵۲) - قرآن پاک : البقرہ : ۲۵۶
- (۵۳) - ایضاً : ۱۹۰ تا ۱۹۳
- (۵۴) - ایضاً المتحنہ : ۸
- (۵۵) - ایضاً المائدہ : ۵
- (۵۶) - ایضاً القصص : ۷۷ ، بنی اسرائیل : ۷
- (۵۷) - سیرة ابن ہشام جلد دوم ص ۱۲۱
- (۵۸) - ابویوسف : کتاب الخراج ص ۷۹
- (۵۹) - ایضاً ص ۷۹
- (۶۰) - الطبری، تاریخ ص ۲۳۵-۲۳۶